© rasailojaraid.com

ہیں۔ یہ تصویر کشی اور اثر انگیزی محض تخئیل کے زور سے ممکن نہیں ہے اس کے لئے ضرورت ہے قلزمِ خون کی شناوری کی۔ اس آگ میں کود کر اسے گلزار بنانے کی۔ رامانند ساگر پر گھر بننے تک کیا گزری ہو گی۔ اس کے تصور سے روح کانپنے لگتی ہے۔ وہ ہر مقتول کے ساتھ قتل ہوا ہے اور اس نے ہر مظلوم کے ساتھ ظلم سہے ہیں اس نے انسانیت کے درد کو اپنا درد بنا لیا ہے اور غمِ دوراں کو غمِ جاناں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ ناول لکھنے پر مجبور ہے اس لئے کہ یہ آبگینہ تندیٔ صہبا کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

ناول میں بعض مقامات ایسے آتے ہیں جب انسانیت کی نبضیں ڈوبنے لگتی ہیں اور ہمارے چاروں طرف یاس و حرمان کا اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اس بے آب و گیاہ سرزمین میں جتنے نخلستان ہیں، سب نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ اعلیٰ اقدار کی جتنی روشنیاں ہیں، وہ سب ایک ایک کر کے گل ہو جاتی ہیں۔ لیکن یہ آگ جو رامانند ساگر نے الفاظ کے شراروں سے روشن کی ہے معمولی آگ نہیں ہے۔ یہ وہ آگ ہے جو خلیل کو پیدا کر سکتی ہے۔ یہ وہ آگ ہے جو سمندر کا مسکن بن سکتی ہے ظاہر ہے کہ اس قسم کی چیز ہنگامی لٹریچر میں شامل نہیں ہو سکتی۔

اس ناول کے تمام افراد فرضی ہیں لیکن پھر بھی اصلی ہیں۔ اوشا، آنند، مولانا، کشن چند اور فرملا سب مر جاتے ہیں لیکن وہ مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں اس لئے کہ انسانیت ان کے کارناموں سے زندہ ہے۔ شائستگی کی روشنی ان کے پاکیزہ جذبات کی وجہ سے قائم ہے۔ آنند، نفرت اور تشدد کے مناظر دیکھ دیکھ کر چلا اٹھتا ہے "اگر انسان خودکشی نہ کرے تو میں اسے مار ڈالوں گا" یہ کیفیت، یہ جذبہ حالات کے عین مطابق ہے۔ اس کا کردار ہمدردی کا پیام ہے اور عمل کی آواز۔ اوشا تمام ناول پر چھائی ہوئی ہے لیکن بمشکل ایک دو باب میں اپنی صورت دکھاتی ہے۔ وہ علامت ہے اس آدرش کی جو فن کار کو ذوقِ عمل بخشتی ہے، وہ نشانی ہے، اُس سوزِ آرزو اور محبتِ بے پایاں کی جو پہاڑوں کو کاٹ کر جوئے شیر نکال لاتی ہے۔

© rasailojaraid.com